"حکایات بانگ درا" ایک مطالعہ

طاہرہ صدیقہ
محمد نوید

Abstract:

Allama Iqbal's poetry is marked by a combination of intellectual depth and aesthetic beauty. The narratives included in his first poetic collection, Bang-e-Dra, not only captivate the literary reader but also shed profound light on moral, social, and philosophical themes. The aim of this paper is to conduct an analytical study of the narratives in Bang-e-Dra to highlight Iqbal's intellectual insight, reformative message, and creative style.This study will examine how Allama Iqbal employed the narrative style to express his thoughts and to what extent these narratives have influenced Urdu literature and cultural consciousness. The research will explore the literary, educational, and philosophical dimensions of Iqbal's narratives, in which he presented important principles of life in an engaging manner for both children and adults.The paper will also shed light on how Iqbal's narratives reflect human nature, social attitudes, and moral values, and their relevance in the contemporary era.

حکایت فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی قصہ، کہانی یا تمثیل کے ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو ادب میں حکایت کو ایک اہم صنف ادب کا درجہ حاصل ہے۔ حکایت وہ مختصر کہانی ہوتی ہے جس میں زندگی کی حقیقتوں ،اخلاقی، سماجیاور تعلیمی پہلوؤں یا کسی سبق آموز تجربے کو عام فہم انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال اپنی کتاب حکایات لطیفہ میں حکایت کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

"حکایت کا لفظ بھی کہانی کے مترادف ہے وہ حیوانی کہانیاں ہوں یا حکایت الجلیلہ کی طرح تفریحی ہوں "حکایت "ہی کہلائیں گی"(۱)

وہ مختصر کہانی حکایت کہلاتی ہے جس میں قاری کے سامنے کسی سبق، نصیحت یا زندگی کی حقیقت کو پیش کیا جاتا ہے۔اس میں عموماً اخلاقی خوبیوں اور رویوں کو بیان کیا جاتا ہے جن سے معاشرتی اصلاح کا کام لیا جاتا ہے۔حکایت میں اخلاقی عناصر کا ہونا لازم ہے تاکہ اس سے کسی سماج میں رہنے والے لوگ سبق حاصل کر سکے۔ اس کے علاوہ تاریخی واقعات جن میں اصلاحی پہلو موجود ہو یا صوفیا اور علما کے اقوال کو بھی حکایت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر گیان چند جین حکایت کی تعریف کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

> "حکایت ایک بہت مختصر اور سادہ کہانی ہے جس میں ایک بہت چھوٹا واقعہ بہت کم کرداروں کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے۔حکایت کی غایت تفریح نہیں بلکہ کسی نہ کسی مشکل میں خلاقہ اصلاح اور بدی کی مذمت ہوتی ہے۔اس میں رنگینی اور رومان کے نشاط و سرور کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی"(۲)

دنیا کی زیادہ تر حکایات حیوانی کہانیوں پر مشتمل ہیں ان کہانیوں میں حیوانی کرداروں کے ذریعے کہانی کو پیش کیا گیا ہے۔حیوانی کہانیوں کی ابتدا مصر میں ہوئی اور یہ کہانیاں مصر سے مغربی ایشیا اور بابل پہنچیں اور وہاں "الیپ کی کہانیاں" کے نام سے مشہور ہوئی۔ان کہانیوں کو اردو میں حکایات لقمان کے نام سے موسوم کیا گیا۔حیوانی کہانیاں قدیم ہندو دیومالا میں بھی موجود ہیں اور مہابھارت میں کثرت سے اس قسم کی کہانیاں ملتی ہیں ۔مہابھارت میں جانوروں کی حکایات کا سب سے بڑا مجموعہ "جاتک کہانیاں" ہے جس میں (۵۴۷) حکایات شامل ہیں۔الیپ اور جاتک کہانیوں کے بعد "پنچ تنتر" کی کہانیاں دنیا کے افسانوی ادب میں بہت مقبول ہوئیں۔پنچ تنتر کا عربی ترجمہ "کلیلہ و دمنہ" کے نام سے ہوا اور اسی نام سے عربی سے اردو زبان میں بھی ان کہانیوں کے کئی تراجم موجود ہیں۔ایک بات یہاں قبل غور ہے کہ الیپ کہانیاں، جاتک کہانیاں اور پنچ تنتر میں بہت سی حکایات مشترک ہیں۔

اردو زبان میں زیادہ حکایات عربی اور فارسی سے ترجمہ شدہ ہیں۔عربی زبان سے اردو میں زیادہ تر ان حکایات کا ترجمہ ہوا ہے جو اسلامی تعلیمات پر مبنی ہیں۔۱۹۵۱ء میں رئیس احمد جعفری نے اردو میں ایک کتاب "روایات و حکایات" کے نام سے لکھی اور اس کتاب میں عربی زبان کے بہترین اور نایاب قصوں کا ترجمہ پیش کیا۔ اس کتاب کے حرف آغاز میں وہ لکھتے ہیں۔

"یہ کتاب عربی زبان کے بہترین اور نایاب قصص اور روایات و حکایات پر مشتمل ہے۔یہ روایات و حکایات تفریحی نہیں ہیں۔ان میں زیادہ تر تاریخی ہیں کچھ نیم تاریخی۔داستان اور افسانہ کا شائبہ بھی نہیں"(۳)

اس کتاب کے مختلف حصے ہیں اور اس میں شامل قصوں کے ذریعے ایک بہترین اخلاقی تعلیم دینے کی کوشش کی گئی ہے ۔یہ کتاب علم ،علم کے درجات،علم کی فضلیت،ادب کی فضلیت،حسن اخلاق،فلسفہ حیات،سچائی کی فضلیت، جھوٹ کا انجام،ذہانت و ذکاوت،معیار انسانیت وغیرہ جیسے اہم اخلاقی حکایات پر مشتمل ہے ۔ اس کے علاوہ ایک کتاب طالب ہاشمی نے " حکایات صوفیا " کے نام سے مرتب کی اور اس میں مشہور صوفیائے کرام کے اقوال کو ایک بہترین انداز میں پیش کیا جس سے تشنگان علم فیضیاب ہورہے ہیں۔

عربی اور فارسی زبان کے بڑے بڑے شعرا،علما اور صوفیا کی تعلیمات کو اردو زبان میں منتقل کیا گیا ہے جن میں مولانا روم،ابن العربی، شمس تبریز، جنید بغدادی، شیخ فرید الدین عطار، شیخ سعدی شیرازی وغیرہ شامل ہیں۔ان سب میں زیادہ شہرت "حکایات سعدی" شیخ سعدی شیرازی کو حاصل ہوئی۔ان کی حکایات "گلستان سعدی" اور بوستان سعدی" کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ہوئیں۔اردو زبان میں ان کی حکایات کو طالب ہاشمی نے " حکایات سعدی " کے نام سے ترجمہ کرکے ۲۰۱۰ء میں شائع کیا۔ان حکایات کے بارے میں وہ اپنی کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

"گلستان اور بوستان میں سعدی نے پردے میں ایسے جو دو اثر اور دلآویز پیرائے میں درس دیا ہے کہ بے اختیار سر دھننے کو جی چاہتا ہے۔بوستان کی اخلاقی شاعری کی مثال تو بعض دوسرے شعرا،رومی،سنائی،عطار،وحدی وغیرہ کے ہاں بھی مل جاتی ہے"(۴)

اردو ادب میں بھی "حکایات سعدی" کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اس میں ایسی حکایات شامل ہیں جن پر عمل کرکے انسان بہترین اخلاق کا مالک بن سکتا ہے۔ان میں سعدی نے مختلف کرداروں اور مکالموں کے ذریعے اخلاقی درس دینے کی کوشش کی ہے۔ سعدی کی حکایات میں حیوانی کہانیاں بھی شامل ہیں جس میں انھوں نے جانوروں،پرندوں سے مکالمہ کروایا ہے۔ایک حکایت میں انھوں نے شیر اور سیاہ گوش کے مکالمے

کے ذریعے ایک بہترین سبق دینے کی کوشش کی ہے۔ جس میں انھوں نے بادشاہوں کی تلون مزاجی کا ذکر کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ کسی سیاہ گوش سے ایک دن شیر نے پوچھا کہ تجھے شیر کے ساتھ رہنا کیوں پسند ہے تو اس نے کہا: اس لیے کہ اس کا بچا کھچا شکار کھالیتا ہوں اور اس کے ساتھ رہنے سے دشمنوں سے محفوظ رہتا ہوں "شیر پوچھتا ہے کہ جب تو شیر کی پناہ میں آگیا ہے تو پھر اس کے نزدیک کیوں نہیں جاتا تاکہ وہ تجھے اپنے خاص حلقہ میں داخل کرلے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس کی گرفت سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ داناؤں نے کہا ہے کہ بادشاہوں کی تلون مزاجی سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ اس حکایت میں سعدی نے بادشاہوں کے مزاج کا ذکر کیا ہے کہ ان کے مزاج کا کسی کو اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کب کیا کر بیٹھے۔ کبھی وہ لوگ چھوٹی باتوں پر بھی خوش ہو جاتے ہیں کبھی ان کو بنا بات کے غصہ آجاتا ہے۔ ان کا مزاج بدلتا رہتا ہے۔ بادشاہوں کے تلون مزاجی کے بارے میں سعدی لکھتے ہیں۔

"وقتے بسلائے برنجند وگاہے بدشنامے خلعت دھند

کبھی سلام کرنے پر بگڑ جاتے ہیں اور کبھی گالی پر خلعت دے دیتے ہیں"(۵)

سعدی کے بعد اردو میں جن کی حکایات کو زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ مولانا جلال الدین رومی ہیں ۔رومی تصوف میں بہت بڑے مقام پر فائز ہیں اور ان کی شاعری کو تصوف میں ایک بلند مقام حاصل ہے دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں ان کی شاعری کا ترجمہ ہو چکا ہے اور لوگ ان کی تعلیمات سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ ان کی تعلیمات تصوف کے متعلق ہیں اور ان کے ہاں روحانی پاکیزگی، نیکی، حسن سلوک، حسن اخلاق وغیرہ کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ حیوانی کہانیاں رومی کے ہاں بھی موجود ہیں انھوں نے بھی حیوانی کرداروں اور ان کے مکالموں کے ذریعے بہت ساری حکایات بیان کیے ہیں۔ ان کی حکایات کو صوفی آصف محمود نے "حکایات رومی" کے نام سے مرتب کیا ہے۔

اردو ادب میں حکایت نگاری کا آغاز عربی اور فارسی حکایات سے متاثر ہو کر ہوا۔ اور ان حکایات کے ذریعے اسلامی تعلیمات، اخلاقی اصولوں، اور معاشرتی اصلاح کے پیغام کو عام کیا گیا۔ یہاں حکایات کو زیادہ تر مثنوی، داستان یا نثر کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اردو ادب میں حکایت نگاری میں مختصر کہانیوں کو اہمیت دی

گئی، جن میں نہایت سادہ زبان استعمال کی گئی اور ان کا مقصد اخلاقی سبق دینا تھا۔ اردو میں حکایت نگاری کا پہلو ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں اور دیگر تحریروں میں بھی نظر آتا ہے جن سے انھوں نے معاشرتی اصلاح کا کام لیا ہے ۔اس کے علاوہ اردو کے مشہور شعرا میں مرزا غالب اور علامہ اقبال نے بھی اپنے اشعار میں حکایات کو شامل کیا ہے۔ اقبال کی شاعری میں موجود حکایات کا مقصد مسلمانوں کو اپنی حقیقت اور اصل سے روشناس کرانا تھا۔ علامہ اقبال کا شمار اردو اور فارسی شاعری کے ان عظیم شعراء میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی شاعری میں زندگی، فلسفہ اور حقیقت کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ ان کے اولین شعری مجموعے "بانگ درا" میں حکایت نگاری کا پہلو بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ اقبال نے اپنی نظموں میں حکایت کے ذریعے نہ صرف واقعات کو بیان کیا ہے بلکہ ان سے اخلاقی اور تعلیمی سبق بھی اخذ کیے ہیں۔ ان حکایتوں میں اقبال نے مختلف کرداروں اور کہانیوں کو استعمال کرتے ہوئے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا ہے۔ ذیل میں بانگ درا کے ان نظموں پر بات گفتگو ہوگی جن میں حکایت کا پہلو موجود ہے۔

بانگ درا اقبال کا اولین شعری مجموعہ ہے جو ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں اقبال کا شاعری کے آغاز سے لے کر ۱۹۲۴ء تک کا کلام شامل ہے۔ اسے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے حصہ اول میں ۱۹۰۵ء تک کی نظمیں ہیں۔ حصہ دوم میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء کی اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۴ء تک کی نظمیں شامل ہیں۔ یہ نظمیں اقبال کی زندگی کے ابتدائی تجربات پر مشتمل ہیں ۔ شیخ عبدالقادر بانگ درا کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

> "یہ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب اشعار کی موجود نہیں ہے جس میں خیالات کی یہ فراوانی ہو اور اس قدر مطالب و معانی یکجا ہوں۔ اور کیوں نہ ہو ایک صدی کے چہارم حصے کے مطالعے ، تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر وسیاحت کا نتیجہ ہے۔"(٦)

بانگ درا میں شامل حکایتی نظموں پر غور کریں تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اقبال کی حکایت نگاری میں ان کا پیغام ہمیشہ ایک مثبت اور تعمیری ہوتا ہے۔ ان نظموں کے ذریعے اقبال نے نہ صرف بچوں کو بلکہ بڑوں کو بھی غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ ان کا یہ انداز انھیں دیگر شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ اقبال کی بانگ درا میں شامل حکایتی نظمیں ہماری روزمرہ زندگی کے اصولوں، اخلاقیات اور معاشرتی اقدار کو فروغ دینے میں بہت اہم

کردار ادا کرتی ہیں۔ اقبال نے بھی اپنی حکایات پر مشتمل نظموں میں سعدی، رومی اور دیگر عربی فارسی ادبا و شعرا کی طرح جانوروں کو کردار بنایا ہے ان کرداروں کے ذریعے اخلاقی درس دینے کی کوشش کی ہے۔ بقول ڈاکٹر طیبہ نگہت:

> "اقبال نے اپنی نظموں میں غیر انسانی کرداروں یعنی نباتات، جمادات اور حیوانات کو حرکی اور نامیاتی سطح پر نہ صرف متعارف کروایا ہے بلکہ ان کے زندہ و جاوید مکالمات سے نظم میں سوالات و جوابات کی ایک الگ اسلوب بیان کی حامل روایت قائم کی جو صرف انھی کی اختراع ہے۔"(۷)

اقبال نے بانگ درا میں شامل اپنی نظموں کے ذریعے نصیحت و اصلاح کا کام ایک بہترین انداز میں کیا ہے فارسی حکایات میں سعدی، رومی، عطار کو جو اہمیت حاصل ہے اردو حکایات میں اقبال کو وہی اہمیت حاصل ہے ۔بانگ درا میں شامل نظمیں ایک مکڑا اور مکھی، ایک پہاڑ اور گلہری ،ایک گائے اور بکری، بچے کی دعا، ہمدردی، ماں کا خواب، شمع و پروانہ، عقل و دل، ایک پرندہ اور جگنو، وغیرہ خالص حکایتی نظمیں ہیں۔ نظموں کے علاوہ حکایت کا عنصر اقبال کی غزلوں اور قطعات میں بھی جابجا نظر آتا ہے۔

حکایات پر مشتمل نظموں میں "ایک مکڑا اور مکھی" اقبال کی چند اہم نظموں میں شمار ہوتی ہے۔۔ نظم کا خلاصہ یوں ہے کہ ایک دن کسی مکڑے نے مکھی کو دیکھا تو اسے اپنے قریب بلا کر اپنا خوراک بنانے کی غرض سے باتیں بنانے لگا اور کہنے گا کہ تمھارا گزر روز اس راستے سے ہوتا ہے لیکن تم نے کبھی میرے گھر میں بھولے سے بھی قدم نہیں رکھا اور مجھے مہمان نوازی کا موقع نہیں دیا۔ حالانکہ ہم ایک دوسرے کے عزیز ہیں سو تمھیں محبت و یگانگت بڑھانے کے لیے میرے گھر آنا چاہیے۔ کبھی کہا کہ میرے گھر میں ایسی بہت ساری چیزیں ہیں جو تمہیں دکھانے کے لائق ہیں میں چاہتا ہوں تمھیں وہ سب دکھاوں تمہیں دیکھ کر خوشی ہو گی۔ لیکن مکھی کسی صورت اس کی باتوں میں نہ آئی تو اس نے آخری حربے کے طور پر مکھی کی خوشامد شروع کی اور اس کے حسن کی تعریفیں شروع کر دی اس کے آنکھوں، کلغیاور اس کے گانے کی وہ تعریفیں کی کہ مکھی سن کر خوش ہو گئی اور یہ بھول گئی کہ مکڑا اس کا دشمن ہے اس کھانے کے بہانے تلاش کر رہا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی مکھی نے مکڑے کی باتوں میں آکر اس کے گھر میں قدم رکھا اور اس کے قریب پہنچا تو مکڑے نے اسے دبوچ کر کھالیا۔

اس نظم میں قبال نے ایک مکڑے اور مکھی کے مکالمے کے ذریعے قارئین کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ آپ کا دشمن چاہے لاکھ میٹھی ،پیاری خوشامد کی باتیں کرے اس کے بہکاوے میں کبھی نہیں آنا چاہیے۔ورنہ اس کا انجام بھی اس مکھی جیسا ہو گا جو مکڑے کے بہکاوے میں آکر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔مکڑا اس مکھی کی خوشامد کرتے ہوئے جو تعریفیں کرتا ہے اقبال نظم میں ان تعریفوں کو یوں بیان کرتے ہیں۔

" یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے بڑی بی
اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا
ہوتی ہے اسے آپ کی صورت سے محبت
ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا
آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا
یہ حسن یہ پوشاک یہ خوبی یہ صفائی
پھر اس پہ قیامت ہے یہ اڑتے ہوئے گانا "(۸)

اقبال نے نہایت خوبصورت انداز میں اس نظم کو پیش کیا ہے۔ نظم کا بیان بہت سادہ اور پر اثر ہے مکھی اور مکڑے کا مکالمہ بھی بہترین انداز میں کیا ہے۔غلام رسول مہر اس نظم کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

" اس نظم میں بچوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ دشمن خواہ لاکھ چکنی چپڑی اور خوشامد کی باتیں کرے ، اس کے بہکانے اور پھنسانے میں ہر گز نہ آنا چاہیے "(۹)

حیوانی کرداروں کے ذریعے اقبال نے بہت ساری نصیحت آمیز باتوں کو اپنی نظموں میں پیش کیا ہے ۔اور ان کرداروں سے مکالمے کرواکے اقبال نے ان باتوں میں اور بھی خوبصورتی اور چاشنی پیدا کی ہے۔ نظم " ایک پہاڑ اور گلہری "یہ نظم نامور امریکی آر ڈبلیو ایمرسن کے کلام سے اخذ کی گئی ہے۔اس میں پہاڑ اور گلہری کے مکالمے کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں کوئی چیز نکمی اور بری نہیں ہوتی۔ نظم کا خلاصہ یوں ہے کہ اس نظم میں علامہ اقبال نے ایک پہاڑ اور گلہری کے درمیان مکالمے کو بیان کیا ہے۔پہاڑ اپنی عظمت اور بلند قامتی پر فخر کرتا

ہے اور گلہری کو کمتر سمجھتا ہے۔ گلہری اس کے فخر کو چیلنج کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے، اور یہ کہ قدرت نے ہر مخلوق کو کسی نہ کسی خاص مقصد کے لیے تخلیق کیا ہے۔ گلہری پہاڑ کو یہ سمجھاتی ہے کہ ہر مخلوق کی خصوصیات اور کام مختلف ہوتے ہیں اور کسی کو کمتر یا برتر سمجھنا مناسب نہیں۔ وہ یہ پیغام دیتی ہے کہ حقیقی عظمت صرف جسمانی طاقت یا ظاہری بلندی میں نہیں بلکہ اپنے مقصد کو پہچاننے اور اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنے میں ہے۔

اقبال اس نظم میں پہاڑ اور گلہری کے مکالمے کے ذریعے یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ دنیا میں کسی بھی چیز کو بیکار پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ ہر چیز کے اپنے کام ہیں کوئی چیز چھوٹا یا بڑا نہیں ہر چیز کی اہمیت اپنی جگہ ہوتی ہے ۔اللہ تعالیٰ کی بنائی گئی کسی بھی چیز کو کمتر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی بھی چیز بے کار نہیں بناتا۔ جب پہاڑ گلہری کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اس کا مذاق اڑاتا ہے تو گلہری اسے یوں جواب دیتی ہے۔

"جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا!
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا
ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت ہے
بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے
قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
تری بڑائی ہے ! خوبی ہے اور کیا تجھ میں
جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو
نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں "(۱۰)

کسی بھی چیز کو اس دنیا میں بے کار پیدا نہیں کیا گیا ہر چیز کوئی نہ کوئی کام ضرور کرتی ہے۔ کسی بھی چیز کو بے کار نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ جو کام کر سکتا ہے کوئی دوسرا وہ کام نہیں کر سکتا۔ ایک گلہری جو کام کر سکتی ہے

پہاڑ وہ کا نہیں کر سکتا اور جو کام پہاڑ کا ہے وہ گلہری نہیں کر سکتی یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمالات ہیں۔اس نظم کے بارے میں ڈاکٹر طیبہ نگہت لکھتی ہے۔

> "نظم کا اختتام عالمگیر انسانی محبت کے پیغام پر ہوتا ہے کہ ہمارے خیالات کے برعکس خدا کے ہاں کوئی برا نہیں اور وہاں ہر کسی کا اپنا مقام و مرتبہ ہے ،لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ایک دوسرے کی حیثیتیں متعین نہ کریں کہ یہ کار خداوند ہے"(۱۱)

اقبال کی مغربی شاعری پر گہری نظر تھی ان کی بہت ساری نظمیں ایسی ہیں جو انھوں نے مغربی شاعری سے متاثر ہو کر لکھی ہیں جو نظمیں جانوروں یا بے جان کرداروں پر مشتمل ہیں وہ زیادہ تر مغربی شعرا کی شاعری سے ماخوذ ہیں ایک اور نظم "گائے اور بکری" میں بھی اقبال نے گائے اور بکری جیسے کرداروں کے ذریعے بھائی چارے اور دوستی کا پیغام دیا ہے۔یہ حکایت یوں ہے کہ ایک گائے اور بکری کی ملاقات ہوتی ہے بکری جب گائے سے حال پوچھتی ہے تو گائے اس سے اپنے مالک کی شکایت کرنے لگتی ہے جس سے وہ بہت تنگ ہے۔بکری سے کہتی ہے کہ میں جب دودھ کم دوں تو باتیں سناتا ہے جب کمزور ہو جاوں تو مجھے بیچ دیتا ہے۔میں اس کے بچوں کو پالتی ہوں میرے دودھ سے ان میں طاقت آجاتی ہے لیکن میرے مالک کو ہمیشہ مجھ سے شکایت رہتی ہے میں نیکی کرتی ہوں اور مجھے اس کے بدلے برائی نصیب ہوتی ہے۔یہ باتیں سن کر بکری اسے سمجھاتی ہے کہ تمھاری باتیں تو ٹھیک ہیں مگر یہ بات بھی سچ ہے کہ یہ جو ہم گھاس چرتے ہیں یہ جو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں ہمیں نصیب ہوئی ہیں یہ سب اسی آدمی کے دم سے ہے اور اسی کی وجہ سے ہی ہم زندہ ہیں۔ہمیں اس کا گلہ نہیں کرنا چاہیے اس کے ہم پر بہت سارے احسان ہیں۔یہ باتیں سن کر گائے کہتی ہے کہ واقعی بکری ٹھیک کہتی ہے اور خود کو ملامت کرنے لگ جاتی ہے۔گائے کی شکایات سن کر بکری اسے یوں سمجھانے لگتی ہے۔

"یہ چراگہ یہ ٹھنڈی ہوا
یہ ہری گھاس اور یہ سایہ
ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کہاں!
یہ کہاں، بے زباں غریب کہاں!
یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں

لطف سارے اسی کے دم سے ہیں
اس کے دم سے ہے اپنی آبادی
قید ہم کو بھلی کہ آزادی "(۱۲)

بکری اور گائے کے مکالمے کے ذریعے یہ پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر حال میں خوش رہنا چاہیے ۔جو نہ ملے اس کا شکوہ نہیں کرنا چاہیے اور جو ملے اس پر شکر ادا کرنا چاہیے ۔وہ اس لیے کے بہت سے پریشانیوں اور مصائب کے باوجود انسان کو مسرتیں بھی حاصل ہوتی ہیں۔شکایت کرتے ہوئے ان احسانات کو بھی یاد رکھنا چاہیے جو اس سے پہلے اس پر ہوئے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے پاس بہتر چیز موجود ہوتی ہے لیکن وہ اسے پہچان نہیں پاتا۔

اقبال نے زیادہ تر نظمیں بچوں کے لیے لکھی ہیں اور ان نظموں میں ان کے لیے نصیحت آمیز باتیں ہوتی ہیں جو ان کی اخلاقی ،علمی ،دینی اور دنیاوی نشوونما میں کارگر ثابت ہوتی ہیں۔لیکن اقبال اپنی نظم "بچے کی دعا"میں ایک بچے کی زبانی دعا کرتے ہیں۔بچہ کہتا ہے کہ میری دلی آرزو دعا بن کر میرے ہونٹوں پر آگئی ہے اور دعا یہ ہے کہ میری زندگی شمع کے مانند ہو اور میں شمع کی طرح اپنے ارد گرد کو روشنی سے منور کروں اور زمانے سے اندھیرے کے خاتمے کا سبب بنوں۔میری وجہ سے دنیا سے اندھیرے کا خاتمہ ہو جائے اور ہر طرف روشنی پھیل جائے۔اور میں چاہتا ہوں میری وجہ سے میرے وطن کو فائدہ پہنچے اور اس کی زینت بنوں جیسے پھول چمن کی زینت ہوتی ہے۔بچہ کہتا ہے کہ میری زندگی میں پروانے کی سی بے قراری آجائے اور میں علم کی شمع کے گرد گھومتا رہوں اور میرا خدا مجھے توفیق دے کہ میں غریبوں۔مسکینوں،اور کمزور لوگوں کے کام آؤں میرا خدا مجھے ہر طرح کی برائی سے بچائے رکھے اور نیک کام کی توفیق عطا کرے۔ نظم سے اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"زندگی ہو میرے پروانے کی صورت یارب!
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!
ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا
میرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس رہ پہ چلانا مجھ کو "(۱۳)

اقبال کی یہ نظم اپنی سادگی اور معصومیت کے باوجود زندگی کے بڑے اسباق اور حکایات پر مبنی ہے۔ یہ نظم بچوں کو نہ صرف دعا کی اہمیت سکھاتی ہے بلکہ عملی زندگی کے لیے ایک مضبوط بنیاد بھی فراہم کرتی ہے۔ اس نظم میں دعائیہ طریقے سے بچوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ انھیں علم حاصل کرکے اپنے ملک و قوم کی خدمت کرنا دکھی لوگوں، غریبوں اور مسکینیوں کی مدد کرنا ہے اور نیکی کرنااور برائی سے بچنا ہے۔

اقبال کی نظم "ہمدردی" کا بنیادی خیال ولیم کوپر کی نظم سے اخذ شدہ ہے۔ نظم "ہمدردی" انسانی محبت، احساس اور دوسروں کے دکھ درد کو بانٹنے کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ اقبال ہمیں اپنے دلوں میں ہمدردی کے جذبات پیدا کرنے اور انسانیت کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہونے کا پیغام دیتے ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے دوسرے انسانوں سے ہمدردی کا جذبہ سب کے دل میں ہونا چاہیے۔ اس نظم میں اقبال نے ایک بلبل اور جگنو کے مکالمے کے ذریعے ہمیں ہمدردی کا پیغام دیا ہے۔ نظم کا خلاصہ یوں ہے کہ ایک بلبل کسی درخت کی ٹہنی پر اداس بیٹھا یہ کہ رہا تھا کہ رات سر پہ آگئی دانے چگنے کے چکر میں پتہ ہی نہیں چلا کہ کب دن گزر گیا اب رات ہو گئی ہے ہر طرف اندھیرا چھا گیا ہے آشیانے تک کیسے پہنچوں۔ بلبل کی یہ باتیں سن کر پاس سے ایک جگنو بولا فکر نہ کرو میں آپ کی مدد کو حاضر ہوں میں چھوٹا کیڑا ضرور ہوں لیکن اس اندھیری رات میں آپ کے لیے میں روشنی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ صلاحیت دی ہے اور مجھے اللہ نے ایک دیا بنایا ہے۔ وہی لوگ اس جہاں میں اچھے ہیں جو دوسروں کے کام آتے ہیں۔ نظم کے آخری شعر میں اقبال لکھتے ہیں۔

"ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے "(۱۴)

دنیا میں وہی لوگ بہترین ہوتے ہیں جو دوسروں کے کام آتے ہیں۔ وہ انسان جو دوسروں کے کام نہیں آتا اس انسان کا دنیا میں ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے۔ وہ انسان سب سے بلند مرتبے والا ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو۔ اقبال نے انسانوں کو ایک جگنو کے ذریعے یہ پیغام دیا ہے کہ ایک چھوٹا کیڑا اگر کسی کی مدد کر سکتا ہے ضرورت کے وقت کسی کے کام آتا ہے تو انسان کیوں نہیں انسان کو دنیا میں بھیجا ہی اسی کام کے لیے ہے۔ اس نظم کے بارے میں ڈاکٹر شفیق احمد لکھتے ہیں۔

"نظم سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو عام زندگی میں لوگوں کی بے غرض خدمت کو اپنا شعار بنالینا چاہیے"(۱۵)

اقبال کی نصیحت آموز نظموں میں سے ایک نظم "ماں کا خواب" بھی ہے۔ جس میں اقبال نے اولاد کے لیے ماں کی محبت اور اولاد کے غم میں ماں کی کیفیت کو بیان کیا ہے نظم کا خلاصہ یوں ہے۔ اقبال اس نظم میں ایسی ماں کا خواب بیان کرتے ہیں جس کا بیٹا فوت ہو چکا ہے اور اپنے بیٹے کی یاد میں وہ ماں رات دن روتی رہتی ہے۔ ایک دن وہ خواب میں دیکھتی ہے کہ وہ کسی ڈراونی جگہ کھڑی ہے اور وہاں سے سبز کپڑے پہنے ہوئے بچے گزرتے ہیں۔ ان بچوں کے ہاتھوں میں چراغ ہیں جو جل رہے ہیں ان میں وہ اپنے بیٹے کو بھی دیکھتی ہے اور وہ یہ بھی دیکھتی ہے کہ اس کے بیٹے کے ہاتھ میں چراغ ہے جو جل نہیں رہا۔ وہ اپنے بیٹے سے بچھڑ جانے کی شکایت کرتی ہے تو اس کا بیٹا ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم میری جدائی میں روتی رہتی ہو میری جدائی کا تمھیں دکھ ہے لیکن تمھارے آنسوؤں کی وجہ سے میرا چراغ بجھ گیا ہے۔ اپنی ماں سے وہ لڑکا کہتا ہے۔

"رلاتی ہے تجھ کو جدائی میری
نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی میری
یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چپ رہا
دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا
سمجھتی ہے تو ہوگیا کیا اسے
تیری آنسوؤں نے بجھایا اسے "(۱۶)

کسی عزیز کے چھوڑ جانے کا دکھ ہر انسان کو ہوتا ہے۔ لیکن اسے قدرت کا قانون سمجھ کر قبول کرلینا چاہیے اس کے غم میں یوں ہمیشہ آنسو بہانے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور ہزار کوششوں کے بعد بھی اسے واپس نہیں لاسکتے۔ اس کے پیچھے آنسو بہانا ہمیشہ اسے یاد کرتے رہنا حکم خداوندی کے خلاف عمل ہے۔

اقبال کی شاعری کا سب سے بڑا موضوع عشق ہے اور اقبال نے مختلف طریقوں سے عشق کو بیان کیا ہے اقبال کا عشق وہ ہے جس کی آخری منزل فنا کی ہے۔ اور اسی عشق کو اقبال نے اپنی نظم "شمع و پروانہ" میں ایک خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ اقبال شمع سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے شمع تجھ میں ایسا کیا ہے کہ پروانہ تیرے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہے۔ کیا تو نے اسے عشق کے طریقے سکھائے ہیں تو جہاں جلتی ہے یہ وہاں آکر تیرا طواف شروع کر دیتا ہے۔ تیرے شعلوں میں جل کر فنا ہو جاتا ہے لیکن اس فنا کو بھی اپنی بقا سمجھتا ہے اور تیرے آگ میں جل کر یہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں اگر تو نہ ہوتا تو اس کی

کوئی خواہش پوری نہیں ہوتی۔ تیرے شعلے میں جلنا اس کی عبادت ہے اور یہ تیرے شعلوں میں جلنے کا مزہ جانتا ہے۔ نظم کے آخری شعر میں اقبال لکھتے ہیں۔

"پروانہ اور ذوق تماشائے روشنی!
کیڑا ذرا سا اور تمنائے روشنی !"(۱۷)

نظم میں اقبال نے شمع اور پروانے تعلق کا ایک خوبصورت نقشہ کھینچا ہے جس کے ذریعے فلسفہ عشق اور قربانی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نظم میں اقبال انسان کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ عشق اور قربانی کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ عشق میں صرف جذباتی شدت کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایک بلند مقصد، شعور، اور خدمت کا جذبہ بھی ہونا چاہیے۔ یہ نظم عشق کے مختلف پہلوؤں اور انسانی زندگی میں اس کے کردار کو ایک گہرے فلسفیانہ انداز میں بیان کرتی ہے۔ غلام رسول مہر اس نظم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اس کا اصل مضمون آخری شعر میں ہے یعنی روشنی کی طلب اور تڑپ
جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسان میں اپنے باطن کو روشن کرنے کا
جذبہ ہونا چاہیے"(۱۸)

عقل و دل کا بحث اقبال کی شاعری میں ہمیشہ سے موجود رہا اور اقبال کے ہاں ہمیشہ دل مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اپنی نظم "عقل و دل" میں بھی اقبال نے عقل اور دل کے درمیان مکالمے کو پیش کیا ہے۔ عقل دل سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ میں وہ ہوں جو بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھاتی ہوں۔ میں زمین پر رہتی ہوں لیکن میرا گزر فلک پہ ہوتا ہے، میں وہ ہوں جو لوگوں کی راہنمائی کرتی ہوں جب وہ راہ سے بٹھک جاتے ہیں۔ میں ایک راہبر ہوں اور خضر کی طرح لوگوں کی رہبری کرتی ہوں۔ دل عقل کی یہ باتیں سن کر کہتا ہے تجھے پتہ ہے میں کیا ہوں؟ میں وہ ہوں جو اس دنیا کی راز کو سمجھتا ہوں اور میں اپنی آنکھوں سے اس ہستی کو دیکھ سکتا ہوں جس نے یہ سارا جہاں خلق کیا ہے۔ تو تو صرف ظاہر کی چیزوں کو دیکھتی ہے صرف ان ہی سے آشنا ہے لیکن میں وہ ہوں جو باطن کے رازوں کو سمجھتا ہے۔ تجھ سے اگر علم ہے تو مجھ سے معرفت ہے تو اگر خدا کے وجود کو تسلیم کرتا ہے اس کو جانتا ہے تو میں خود خدا ہوں۔ جو لوگ علم کی انتہا تک پہنچنا چاہتے ہیں انھیں اس کی انتہا تک پہنچانے والا میں ہی ہوں۔ تیرا رشتہ تو صرف زمان و مکان سے ہے لیکن میں زمان و مکان سے آگے بھی نکل سکتا ہوں دیکھ لے میرا مقام کتنا بلند ہے میں اس عرش سے بھی اونچا مقام رکھتا ہوں۔ دل عقل سے یوں مکالمہ کرتا ہے۔

"ہے تجھے واسطہ مظاہر سے
اور باطن سے آشنا ہوں میں
علم تجھ سے ،تو معرفت مجھ سے
توخدا جو، خدا نما ہوں میں"(۱۹)

نظم میں عقل اپنی برتری کے دلائل پیش کرتی ہے اور کہتی ہے کہ انسانی ترقی اور کامیابی کا راز اس کی علمی صلاحیتوں اور فکری تجزیے میں پوشیدہ ہے۔ عقل مادّی دنیا کی حدود میں رہ کر کام کرتی ہے اور حقیقت کو جاننے کے لیے تجربات اور مشاہدات پر انحصار کرتی ہے۔اقبال کے مطابق، عقل اور دل دونوں کی اپنی جگہ اہمیت ہے، لیکن دل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ وہ انسان کو خدااور کائنات کے رازوں تک پہنچنے کا راستہ دکھاتا ہے۔ عقل ایک رہنما ہے، لیکن اگر دل کے ساتھ نہ ہو تو انسان کا سفر ادھورارہ جاتا ہے۔ یہ نظم اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ اقبال کی فکر میں عقل اور دل دونوں کی ہم آہنگی ضروری ہے تاکہ انسان اپنی زندگی کے اعلیٰ مقاصد کو حاصل کر سکے۔خواجہ حمید یزدانی اس لکھتے ہیں۔

"اس میں دل سے مراد عشق ہے اس لیے اس نظم میں عقل اور عشق کا موازنہ و مقابلہ کیا ہے اور یہی موضوع بعد میں ان کی شاعری کا بنیادی موضوع قرار پایا۔ان کے مطابق عشق کو عقل پر برتری وفضلیت حاصل ہے"(۲۰)

اقبال کے ہاں عشق کا مقام سب سے بڑا ہے اور عشق کا مرکز و محور دل ہے اس لیے ان کے ہاں دل کو عقل پر برتری حاصل ہے ۔اقبال نے اس نظم اور دیگر کئی نظموں کے ذریعے پند و نصیحت کا کام لیا ہے اور یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ کیا چیز ہے جسے اپنا کر انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ محمد افضل الدین اقبال،ڈاکٹر ،حکایات لطیفہ (اردو کی قدیم ترین دلچسپ مختصر کہانیاں)،حیدر آباد :دائرہ پریس چھتہ بازار،۱۹۹۳ء ص:۵

۲۔ گیان چند جین،اردو کی نثری داستانیں،لکھنو:اترپردیش اردو اکادمی،۱۹۸۷ء، ص:۴۷

۳۔ رئیس احمد جعفری،روایات وحکایات،لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ،(طبع اول)۱۹۵۱ء، ص:۳۰

۴۔ طالب الہاشمی، حکایات سعدی (دلچسپ و نصیحت آموز)، دہلی: عفیف آفسیٹ پرنٹرس، ۲۰۱۰ء، ص:۱۶

۵۔ ایضاً۔۔۔۔۔ایضاً۔ ص:۳۵

۶۔ محمد اقبال، علامہ، بانگ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز، ۱۹۲۴ء، ص:۱۸

۷۔ طیبہ نگہت، ڈاکٹر، (مضمون) بانگ درا کی ماخوذ نظمیں، مشمولہ، جہان تحقیق، آنلائن شمارہ، VOL.4 NO 4 2021 ص:۱۸۰ https://jahan-e-tahqeeq.com/index.php/jahan-e-tahqeeq/article/view/384/298

۸۔ محمد اقبال، علامہ، بانگ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز، ۱۹۲۴ء، ص:۳۰

۹۔ مہر، غلام رسول، (شرح) مطالب بانگ درا، دہلی: چمن بک ڈپو، اردو بازار، س۔ن، ص:۳۷

۱۰۔ محمد اقبال، علامہ، بانگ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز، ۱۹۲۴ء، ص:۳۱

۱۱۔ طیبہ نگہت، ڈاکٹر، (مضمون) بانگ درا کی ماخوذ نظمیں، مشمولہ، جہان تحقیق، آنلائن شمارہ، VOL.4 NO 4 2021 ص:۱۸۳ https://jahan-e-tahqeeq.com/index.php/jahan-e-tahqeeq/article/view/384/298

۱۲۔ محمد اقبال، علامہ، بانگ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز، ۱۹۲۴ء، ص:۳۳

۱۳۔ ایضاً۔۔۔۔۔ایضاً، ص:۳۴

۱۴۔ ایضاً۔۔۔۔۔ایضاً، ص:۳۵

۱۵۔ شفیق احمد، ڈاکٹر، شرح بانگ درا، لاہور: پاپولر پبلشنگ ہاوس، ۱۹۹۰ء، ص:۳۱

۱۶۔ محمد اقبال، علامہ، بانگ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز، ۱۹۲۴ء، ص:۳۷

۱۷۔ محمد اقبال، علامہ، بانگ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز، ۱۹۲۴ء، ص:۴۱

۱۸۔ مہر، غلام رسول، (شرح) مطالب بانگ درا، دہلی: چمن بک ڈپو، اردو بازار، س۔ن، ص:۵۵

۱۹۔ محمد اقبال، علامہ، بانگ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ پبلشرز، ۱۹۲۴ء، ص:۴۲

۲۰۔ خواجہ حمید یزدانی، ڈاکٹر، شرح بانگ درا، لغت و تشریح، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص:۵۰